بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

مجلس شوریٰ کے بجٹ اجلاس میں ۱۹ جولائی کو مولانا سمیع الحق مدیر الحق نے دس منٹ کی نہایت محدود وقت کی مختصر تقریر میں کئی اہم مسائل پر اظہار خیال کیا جو وفاقی کونسل سیکرٹریٹ کی ضبط کردہ شکل میں پیش ہے۔ "ادارہ"

(تمہیدی کلمات کے بعد) محترم چیئرمین صاحب! اس چھ سالہ دورِ حکومت میں اس حکومت سے جو سب سے بڑی چیز ہمیں ملی ہے۔ اور اسلامی نقطۂ نظر سے اس امتِ مسلمہ پر انعام ہوا ہے تو وہ قادیانیت کے مسئلہ پر آرڈیننس کا نفاذ ہے۔ الحمدللہ اس حکومت کو ناموسِ ختمِ نبوت کے تحفظ کی یہ سعادت حاصل ہوئی اور نوے سالہ جدوجہد جو کہ برصغیر میں ہمارے اکابر اور مسلمانوں نے جاری رکھی تھی اس کو اس حکومت نے منزلِ مقصود سے ہمکنار کیا تو میرا مشورہ ہے کہ مجلس شوریٰ اس مسئلے پر صدرِ پاکستان کو مبارکباد دے۔ اب اتنی گذارش ہے کہ اس مسئلہ پر ہمیں پوری سنجیدگی سے غور کرنا ہے۔ اس کے سیاسی مضمرات پر قادیانی فرقہ کی تاریخ کی روشنی میں گہری نظر رکھنی چاہیے۔ اگر ایک سانپ کو آپ زخمی کر لیتے ہیں تو زخمی سانپ، سب کچھ کر گزرتا ہے۔ تو ان کی پوری تاریخ ہے حوالوں کے ساتھ اس پر کتابیں لکھی گئی ہیں۔ پورے عالم اسلام میں قادیانی، فری میسن کی طرح سرگرم ہیں۔ ان کا ایک نظام ہے اور ان کی سرگرمیاں جاری ہیں۔ تو کہیں ایسا نہ ہو کہ پاکستان ان کی سازشوں کا شکار نہ ہو جائے ہمیں محتاط رہنا چاہیئے۔ اور مکمل طور پر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے بغاوت کرنے والے اس طبقہ سے مزید کوئی نرمی نہیں برتنی چاہیئے۔

دوسری گذارش یہ ہے کہ الحمدللہ موجودہ حکومت اس وقت اسلامی نظام کے نفاذ کی کوشش کر رہی ہے اور ایک سمت متعین ہو چکی ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ جیسا صدرِ محترم فرماتے ہیں کہ ایسی بنیاد ہم فراہم کر کے چھوڑیں گے کہ اس کو ہلایا نہیں جا سکے گا تو میرا خیال ہے کہ ان چھ سالوں میں وہ بنیادیں اتنی مستحکم نہیں ہو سکی ہیں۔ جیسا کہ صدر صاحب نے کہا ہے۔ بلکہ ہم نے ان چھ سالوں کا کافی حصہ تدریج یا حکمتِ عملی یا جو بھی نام دے دیں کے نام پر ضائع کر دیا ہے۔

جناب چیئرمین! اسلامی انقلاب کے لئے بنیادی باتیں تین تھیں۔ ایک نظام تعلیم، ایک نظام معیشت، اور ایک نظام عدل۔ نظام معیشت کے بارے میں ہم اب تک صرف خوشخبریاں سن رہے ہیں۔ اب کے ہم نے ۱۹۸۵ء تک سودی نظام کے خاتمہ کی خوشخبری سنی تو اللہ کرے کہ یہ پوری ہو جائے۔ لیکن سودی نظام کے ساتھ نہ اسلام اور نہ قرآن وسنت ایک منٹ کی رواداری برداشت کرتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اس نظام کے بارہ میں اعلان جنگ ہے۔ اب بھی پچھلے چھ ماہ میں بیس بیس سال کے قرضے بنکوں نے جاری کئے ہیں۔ تو اگر ہم سودی نظام کو ۱۹۸۵ء

پچھلے دنوں اخبار میں ایک لطیفہ تھا کہ یہ "نیست ونابود کمیٹیاں ہیں" کمیٹی در کمیٹی پھر کمیٹی کے بعد کمیٹی ـــــ دوسری طرف یہ حالت ہے کہ جو معلمین دینیات صوبائی مدارس میں ہیں، سکولوں میں دینیات پڑھاتے ہیں، یا قرآن کریم ناظرہ یا تجوید پڑھاتے ہیں، ان کی تنخواہ چپڑاسی سے بھی کم ہوتی ہے۔ وہ لوگ مسلسل بے چین ہیں۔ دو تین سال سے ہمارے پاس ان کے خطوط آتے ہیں اور ڈھیر لگ گیا ہے۔ اگر یہ صوبائی مسئلہ بھی ہے، لیکن کسی وفاقی حکومت کی پالیسی جب صوبائی حکومتوں کو معلوم ہو جائے تو انہیں ان ہی پالیسیوں کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے۔ تو ایک سکول میں اسلام اور قرآن پڑھانیوالا تو چار پانچ سو روپے تنخواہ کے پانچویں گریڈ والا اور چپڑاسی چھٹے اور ساتویں گریڈ میں ہو۔ اور انگریزی پڑھانے والا، فارسی پڑھانیوالا وہ تو نویں دسویں گریڈ والا ہو تو اس کے احساسِ کمتری اور بچوں پر اسکے اثرات کا کیا حال ہو گا۔

چیرمین صاحب :- مولانا اختصار کریں، تین منٹ، باقی ہیں۔

مولانا سمیع الحق :- دوسری گذارش یہ ہے کہ ہم جب اسلامی نظام کی طرف جا رہے ہیں تو ایسے اقدامات نہیں ہونے چاہئیں جو اس کے خلاف ہوں جو ہمارے نعروں سے ہماری منزل اور مشن سے ہم آہنگ نہ ہوں۔ یہاں کئی بظاہر چھوٹی باتیں بھی ہوتی ہیں مگر ملک کے مسلمانوں پہ ان کا بُرا اثر پڑتا ہے اعتماد مجروح ہوتا ہے۔ کہ شاید یہ لوگ صرف نعرہ لگا رہے ہیں۔ ہمارے صدر صاحب نیک اور صاف دل انسان ہیں، معلوم نہیں کن لوگوں نے ان کو اس مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ کہ پچھلے ہفتہ پورا ہنگامہ فلمی ایکٹروں اور ایکٹرسوں کا رہا، اور ایک دیندار صدر کو سات آٹھ گھنٹے فلمی اداکاروں کے جھرمٹ میں بیٹھنا پڑا، ان اداکاروں نے انٹرویو میں کہا کہ ۳۷ سال میں فلمی صنعت کو پہلی دفعہ تحفظ ملا ہے ـــــ ـــــ تو ہمیں ایسے اقدامات سے گریز کرنا چاہئے ـــــ۔

میں کراچی میں تھا، اجلاس سے ایک دو دن پہلے تو اخبار میں آیا کہ گھوڑ دوڑ پر شرط لگانے کی جو پابندی تھی وہ ختم کر دی گئی ہے۔ تو مجھے کئی لوگوں نے کراچی میں کہا کہ مولانا یہ کون سا اسلام آپ لا رہے ہیں۔ جو کام بھٹو حکومت نے کئے تھے آپ ان کو بھی ختم کر رہے ہیں اور اب شراب کی باری کب آئے گی۔؟ تو گھوڑ دوڑ پر شرط لگانا تو خالص جوا ہے۔ ادھر شناختی کارڈ پر خواتین کا فوٹو لازمی کر دینے کی خبر آئی ہے۔ دور دراز علاقوں بلوچستان وزیرستان قبائلی علاقے کی خواتین جو گھروں سے باہر نکلی ہی نہیں ہیں اور مجھے ایک ایسی خاتون کی حالت معلوم ہے جو اپنے خاندان کی تھی، بوڑھی اور معمر، کہ تیس چالیس سال بے چاری نے نابینا رہنا گوارا کیا، آنکھوں پہ پردے آ گئے تھے مگر اپریشن کرانا گوارا نہیں کیا۔ کہ ڈاکٹر کی نظر چہرہ پر پڑنا گوارا نہ تھا۔ اور یہ میری دادی مرحومہ کا واقعہ ہے۔ میرے والد صاحب اور سب اصرار کرتے رہے کہ یہ آسان مسئلہ ہے۔ ڈاکٹر کے معمولی اپریشن سے بینائی بحال ہو جائے گی۔ مگر اس مرحومہ نے تیس چالیس سال نابینا رہنا برداشت کیا مگر ڈاکٹر کو چہرہ دکھانا گوارا نہ کیا ـــــ تو ایسے جذبات واحساسات والی خواتین کو آپ مجبور کریں کہ وہ فوٹوگرافروں اور سٹوڈیوز کے چکر میں پڑ جائیں، کتنا ظلم ہے۔؟

جنابِ ضیاء الدین۔ لاہوری

سرسیّد اور اُن کے معتقدین

تعلیمی خدمات، مذہبی عقائد — انگریز پرستی کا علمبردار — دو قومی نظریہ کا بانی یا دشمن؟

> سرسید کو دو قومی نظریے کا بانی قرار دینے کی اختراع ایک خاص مصلحت کے تحت مسلمانانِ ہند کے مطالبۂ پاکستان کے بعد ہوئی۔ دو قومی نظریے کے ایک واضح مخالف کو اس کا حامی بنا کر باطل کوششیں واقعی قابلِ مذمت ہیں۔

سرسید احمد خان کی شخصیت ان کے بعض تعلیمی و سیاسی افکار اور مذہبی عقائد کے باعث ایک عرصہ سے متنازعہ فیہ چلی آرہی ہے۔ ایک مخصوص طبقۂ فکر کی جانب سے ہمارے نصابِ تعلیم میں پیش کیا جا رہا ہے اس سے ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ بُری طرح متاثر ہوا ہے۔ نامور اساتذہ، معروف مفکر اور مشہور دانشور سرسید کی اصل کتابوں کے مطالعہ کے بغیر اپنے لیکچروں اور مقالوں میں ان کے متنازعہ کردار کے بارے میں مصنوعی لفّاظی سے اس قدر کام لیتے ہیں کہ اصل مسئلہ دب کر رہ جاتا ہے۔ جو کچھ انہوں نے کتابوں میں پڑھا ہوتا ہے اسے مزید بڑھا چڑھا کر اپنی علمیت کا لوہا منوانے کے خواب دیکھنے لگتے ہیں۔ وہ دلائل کو تسلیم نہیں کرتے۔ اپنے خود ساختہ جواز رنگین عبارت میں ڈھال کر انشا پردازی کے جوہر دکھاتے ہیں۔ اور "وقتی مصلحت" کی رٹ لگا کر کسی کی بات سننا گوارا نہیں کرتے

امروز کی فروری ۸۳ء کی تین ہفت روزہ اشاعتوں میں جناب عشرت رحمانی بھی اسی رو میں بہہ گئے ہیں۔ انہوں نے "سرسید کی کہانی اُن کی اپنی زبانی" کے مقدمہ نگار جناب ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری کے مقالہ کی (جو بعد میں الحق اکوڑہ خٹک میں نقل ہوا) بڑی تضحیک کی ہے۔ وہ مقالہ نگار پر برسے ہیں اور خوب برسے ہیں اور اپنی قلم کے بڑے جوہر دکھائے ہیں۔ اپنے جوابی مضمون "سرسید اور علی گڑھ تحریک" میں وہ جناب ابوسلمان پر کوئی سند نہ پیش کرنے کا الزام لگاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر انہوں نے کوئی سند پیش کی ہے تو وہ بزبان حال بقولِ میر ع

مستند ہے میرا فرمایا ہوا